ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 4, (Oct to Dec 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ڈاکٹر واصف لطیف

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ پنجابی، جی سی یونیورسٹی، لاہور

صبح صادق وٹو

پی ایچ ڈی سکالر، انسٹیٹیوٹ آف پنجابی اینڈ کلچر سٹڈیز، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

رسالہ "راوی" میں پنجابی افسانے کا آغاز وارتقا

Dr. Wasif Latif
Assistant Professor, Department of Punjabi, GC University, Lahor.
Subah Sadiq Wattoo
PhD Scholar, Institute of Punjabi and Culture Studies, Oriental Collage, Punjab University, Lahore.

The Beginning and Evolution of Punjabi Short Story in "The Ravi" Magazine

Government College, Lahore's magazine "The Ravi" has been published continuously since July, 1906, in which English, Urdu and Hindi as well as Punjabi Shahmukhi and Gurmukhi poetry and prose literature have been published in significant quantities. Along with Punjabi poetic genres, Punjabi prose genres also adorn the pages of "The Ravi" which includes articles, fiction, short stories, plays, editorials and satire and humor. Short Stories in "The Ravi" begins with Sher Singh Giani's Gurmukhi short story "MaaN tay Puttar", the first part of which was published in April 1925 and the second part in May, June 1925. This research article reviews the beginnings and evolution of Punjabi short stories published in "The Ravi".

Key Words: *Government College Lahore, "The Ravi", English, Urdu, Punjabi, Hindi, Gurmukhi, Shahmukhi, Prose, Genres, Fiction, Short Story, Sher Singh Giani, "MaaN tay Puttar.*

رسالہ "راوی" گورنمنٹ کالج، لاہور کا ادبی رسالہ ہے جو جولائی ۱۹۰۶ء سے تاحال مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ "راوی" کے ابتدائی کچھ شمارے صرف انگریزی زبان میں شائع ہوئے، بعد ازاں اس میں بالترتیب پنجابی شاہ مکھی، اُردو، پنجابی گورمکھی اور ہندی (دیوناگری) زبانیں اور ادب بھی شائع ہونا شروع ہو گیا۔ قیام پاکستان کے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 4, (Oct to Dec 2022)
ماخذ تحقیقی مجلہ

بعد گورمکھی اور ہندی (دیوناگری) کی اشاعت روک دی گئی جبکہ انگریزی، اُردو اور پنجابی زبانوں کا ادب ابھی تک مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

رسالہ "راوی" کی پنجابی شعری روایت نہایت جاندار ہے جس کا آغاز پنجابی لوک گیتوں سے ہوا تھا۔ لیکن شاعری کے ساتھ ساتھ شاہ مکھی اور گورمکھی میں نثری ادب بھی خاصی مقدار میں شائع ہوا جس میں مختلف نثری اصناف مثلاً مضامین، افسانے، کہانیاں، ڈرامے، اداریے اور طنز و مزاح وغیرہ شامل ہیں۔ ذیل میں "راوی" میں شائع ہونے والے پنجابی افسانے کے آغاز و ارتقا کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے:

دنیا کی کسی بھی زبان میں پہلے شاعری اور کافی عرصہ بعد نثر وجود میں آئی۔ پنجابی شعری ادب کی تاریخ آٹھ سو سال پر محیط ہے جبکہ شاعری کے مقابلے میں پنجابی نثر کافی بعد میں لکھی گئی۔ ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد کی تحقیق کے مطابق حاجی محمد نوشہ گنج بخش (۱۶۰۲ء۔۱۶۹۱ء) پہلے پنجابی نثر نگار ہیں جن کے چھ وعظ پنجابی نثر کا ابتدائی نمونہ ہیں۔ اس کے بعد پنجابی فقہی ادب کے تحت کچھ رسائل لکھے گئے جن کا مقصد اُن عام پنجابیوں تک دینی فقہی احکامات پہنچانا تھا جو زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے اور سوائے پنجابی کے کوئی دوسری زبان نہیں جانتے تھے۔ ڈاکٹر سیّد اختر جعفری لکھتے ہیں:

> "... حضرت نوشہ گنج بخش مگروں پنجابی نثر وچ کجھ مذہبی رسالے لکھے گئے پر لوکاں دا بہتا رجحان شاعری ول رہیا۔ ایس دے باوجود اورنگ زیب عالمگیر دے زمانے وچ حافظ برخوردار نے رسال 'بوہل نماز' لکھیا فیر 'پکی روٹی' تے 'مِسّی روٹی' وچ دینی مسئلے بیان کیتے گئے۔ ۱۸۴۶ء وچ انگریزاں نے پنجاب اُتے قبضہ کر لیا تے عیسائیت دی تبلیغ واسطے مشنری پادریاں نے پنجابی نثر وچ نکے نکے رسالے (پمفلٹ) چھاپے۔ اوہناں دے جواب وچ مولوی نورالدین خلف یا مولوی حکیم اللہ نے دو رسالے 'عمدۃ الواعظین' لکھے۔ اوہناں توں اڈ کئی واعظاں نے پنجابی نثر وچ بہت سارے رسالے لکھے جیہناں وچوں مولوی امام الدین دا ناں سر کڈھواں اے..." (۱)

فقہی ادب اور دینی رسائل کا پنجابی نثری ادب کے فروغ اور ارتقا میں بھرپور حصہ ہے۔ ہندوستان پر انگریزوں کے قبضے کے بعد جدید شعری و نثری اصناف کا آغاز ہوا اور مقامی زبانوں میں جدید نثری تجربات ہونا شروع

ہوئے۔ اس سلسلے میں بھائی وِیر سنگھ نے ''سُندری'' ناول لکھا جو گورمکھی میں تھا۔ فارسی رسم الخط میں پہلا ناول ایک مسلمان ناول نگار میراں بخش منہاس نے ''جٹ دی کرتوت'' کے نام سے لکھا۔ بعد ازاں جوشوا فضل الدین کے چار پنجابی ناول ''برکتے''، ''مُنڈے دائل''، ''پربھا'' اور ''پتی ورتا کملا'' شائع ہوئے۔ جوشوا فضل الدین نے افسانے بھی لکھے جو پنجابی افسانہ نگاری کا آغاز تھا۔

پنجابی افسانہ کی روایت میں زیادہ ہاتھ پنجابی رسائل کا ہے۔ ۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۴ء میں ''پریتم'' اور ''پھُلواڑی'' رسائل شروع ہوئے جو گورمکھی میں تھے۔ ۱۹۲۸ء میں جوشوا فضل الدین کا رسالہ ''پنجابی دربار'' (فارسی رسم الخط)، کرنل بھولا ناتھ وارث کا ''سارنگ''، ۱۹۰۶ء میں گورنمنٹ کالج، لاہور کا ''راوی''، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد کا ''بیکن''، ۱۹۳۳ء میں گوربخش سنگھ کا گورمکھی رسالہ ''پریت لڑی'' اور قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۱ء میں ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کے رسالہ ''پنجابی'' میں شائع ہونے والی کہانیوں نے پنجابی افسانہ نگاری کے نین نقش واضح کیے۔ قیام پاکستان سے قبل اور قیام پاکستان کے بعد متفرق رسائل میں کثیر تعداد میں پنجابی کہانی شائع تو ہوئی لیکن کوئی مجموعہ نہ چھپ سکا۔ پہلا پنجابی افسانوی مجموعہ جو افسانہ نگاری کی جدید تکنیک کے عین مطابق تھا؛ نواز کا ''ڈُونگھیاں شاماں'' ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ ''راوی'' میں شامل افسانوں کی بابت ڈاکٹر انعام الحق جاوید لکھتے ہیں:

> ''راوی وچ چھپن والیاں کہانیاں بھاویں بہتا کر کے طالب علماں دِیاں کوششاں دا نتیجہ سن پر کہانی دے مُڈھلے نین نقش سنوارن وچ ایہناں دے حصے نوں نظر انداز نہیں کیتا جاسکدا۔ ایہہ کہانیاں گورمکھی لپی وچ وی چھپدیاں رہیاں تے اُردو رسم الخط وچ وی۔ 'کھوج' شمارہ ۲۰ وچ انوارالحق دی مرتب کیتی ہوئی فہرست توں پتہ لگدا اے کہ ایس رسالے وچ پنجابی دی پہلی کہانی 'میرے گواہنڈی دا گواہنڈی'' فروری (۱۹۲۷ء) دے شمارے وچ شائع ہوئی۔'' (۲)

مذکورہ بالا حوالہ میں انوارالحق کی ''میرے گواہنڈی دا گواہنڈی'' (مطبوعہ فروری ۱۹۲۷ء) کے بارے میں رائے درست نہیں۔ یہ کہانی نہیں بلکہ مزاحیہ تحریر ہے جو انشائیہ کے زمرہ میں آتی ہے اور اس سے قبل بھی

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN(O): 2709-9644
Volume 3, Issue 4, (Oct to Dec 2022)
ماخذ تحقیقی مجلہ

انشائیہ نما مزاحیہ تحریر "میرا گواہنڈی" دسمبر ۱۹۲۶ء، جنوری ۱۹۲۷ء کے شمارے میں شائع ہو چکی تھی۔ رسالہ "راوی" میں افسانہ نگاری کا آغاز شیر سنگھ گیانی کی گورمکھی کہانی "ماں تے پتر" مطبوعہ اپریل ۱۹۲۵ء سے ہوتا ہے۔

انگریزی "Short Story" کے لیے اُردو میں "افسانہ" اور پنجابی میں "کہانی" یا "نکی کہانی" کے الفاظ مستعمل ہیں۔ لفظی معنی میں جھوٹی کہانی یا فرضی قصہ افسانہ کہلاتا ہے لیکن ادبی اصطلاح میں افسانہ سے مراد ایسی کہانی ہے جس میں حقیقی زندگی کا کوئی ایک پہلو یا کسی کردار کی زندگی کا کوئی ایک واقعہ اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے۔

جدید افسانہ یورپ کی اختراع ہے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں انگلستان اور دوسرے یورپی ممالک نے سائنسی ایجادات کر کے صنعتی ترقی کی تو نتیجتاً مادہ پرستی نے جنم لیا۔ انسان مشین کے ساتھ مشین بن گیا۔ اس کے پاس فرصت نہ رہی۔ ٹیکنالوجی نے انسانوں کو باہمی نزدیک تو کر دیا لیکن دِل دُور ہو گئے۔ جذباتی وابستگی اور روایتی پیار محبت کا جنازہ نکل گیا۔ نفسا نفسی کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ کسی کے پاس فرصت نہ رہی کہ وہ ضخیم ناول اور داستانیں پڑھے۔ لہٰذا انسان کے ادبی ذوق کی تسکین کے لیے کسی نئی صنف سخن کی ضرورت تھی جو ناول کی طرح مسائل زندگی کو بطریق احسن پیش کر سکے۔ وقت کی ضرورت اور انسانی تقاضے نے افسانہ (نکی کہانی) کو جنم دیا۔ کہانی میں ناول کی طرح سب کچھ بیان ہو سکتا ہے مگر اختصار کے ساتھ۔ ناول کسی کردار کی مکمل زندگی کا عکس پیش کرتا ہے تو افسانے میں زندگی کا صرف ایک پہلو بیان کیا جاتا ہے۔ افسانے کے اجزائے ترکیبی اختصار کے فرق کے ساتھ ناول جیسے ہی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اختصار ۲۔ پلاٹ ۳۔ وحدت تاثر ۴۔ کردار ۵۔ مکالمے
۶۔ منظر نگاری ۷۔ مقصدیت

جدید افسانہ میں درج بالا اجزائے ترکیبی لازماً مدِ نظر رکھے جاتے ہیں اگر ان کا اہتمام نہ کیا جائے تو افسانہ نہیں بلکہ عام کہانی ہو گی۔

۱۔ رسالہ "راوی" کے پنجابی افسانے (آغاز تا قیامِ پاکستان):

رسالہ "راوی" میں افسانہ نگاری کا آغاز شیر سنگھ گیانی کی کہانی "ماں تے پتر" سے ہوتا ہے۔ شیر سنگھ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۷ء تک تین سال "راوی" حصہ پنجابی کے مدیر رہے۔ مدیر ہونے کے ساتھ ساتھ اُنھوں نے نثری

اور شعری حوالے سے اچھے قلمکار کے فرائض بھی انجام دیے۔ حصہ پنجابی کو کامیاب کرنے کے لیے اداریے اور ایڈیٹوریل نوٹ لکھنے کے علاوہ خود نظم ونثر بھی لکھتے رہے۔ اُن کی زیر ادارت شائع ہونے والے ۱۲ شماروں میں تقریباً ۱۸ کہانیاں گورمکھی اور فارسی رسم الخط میں شائع ہوئیں۔

پہلی کہانی ''ماں تے پتر'' شیر سنگھ گیانی کی طبع زاد کہانی ہے لیکن تب وہ مدیر نہ تھے۔ چار صفحات کی یہ گورمکھی کہانی اپریل ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی جو نامکمل ہے۔ کہانی کا بقیہ حصہ (پچھوں توں اگے) مئی، جون ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا اور اسی شمارے سے وہ حصہ پنجابی کے مدیر بھی بن گئے۔ ''ماں تے پتر'' استعاراتی کہانی ہے جس میں ماں سے مراد ''مادری زبان پنجابی'' اور پتر سے مراد وہ ''پنجابی'' جو مادری زبان کو بُھلا بیٹھے ہیں۔ پوری کہانی مادری زبان کے حوالے سے ہماری سوچ اور رویے پر روشنی ڈالتی ہے۔ کہانی کار نے پنجابیوں اور پنجاب باسیوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتے ہوئے مادری زبان کے حق میں کھڑا ہونے کی تلقین کی ہے۔

دوسری کہانی ''سُوبھا'' ہے۔ سُوبھا گونگی لڑکی ہے جو بولنے کی صلاحیت سے محروم ہے اسی لیے معاشرہ اُسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ سُوبھا تین بہنوں میں سب سے چھوٹی ہے۔ بڑی دونوں بہنوں کی شادی ہو گئی ہے۔ سُوبھا کے والد نے بڑی مشکل سے دونوں کی شادی کے اخراجات برداشت کیے ہیں۔ گونگی ہونے کی وجہ سے سُوبھا کی ماں بھی اُسے پوری طرح نہیں اپناتی لیکن والد بہت پیار کرتا ہے۔ گائوں والوں کا برتائو اُس سے اچھا نہیں۔ وہ اکیلی اور چپ چاپ رہنے کی عادی بن گئی ہے۔ جب حد سے زیادہ اُداس ہوتی ہے تو اپنی گونگی سہیلیوں کے ساتھ دل کی بھڑاس نکال لیتی ہے۔ افسانے میں پیغام دیا گیا ہے کہ قدرتی نقص یا معذوری کا شکار افراد کو ہمارا معاشرہ ہرگز قبول نہیں کرتا۔ افسانہ میں سوبھا کے کردار کے ذریعے معاشرتی بے حسی، بداخلاقی حتیٰ کہ خونی رشتوں کی اصلیت کو بھی سامنے لایا گیا ہے۔

''کھچ'' شیر سنگھ گیانی کا دوسرا افسانہ ہے جس میں ایک کردار پریتم ہے جو عشق کی مستی میں سرشار دین و دنیا اور آس پاس سے بے نیاز پریتم کی یاد میں مست ہے۔ وہ اردگرد کے نظاروں اور گرمی کے موسم کی شدت سے لاپرواہے۔ اُس کے خیال میں ظاہری موسم اور خوشیاں سکون کا ذریعہ نہیں بلکہ محبوب حقیقی کا قرب حاصل کرنا ہی اعلیٰ ترین عمل ہے۔ اس یک کرداری افسانہ میں پریتم وہ شخص ہے جس کی لو ذاتِ باری تعالی سے جا لگتی ہے، پھر اُسے کچھ بھی بھلا محسوس نہیں ہوتا۔ افسانہ نگار نے صبح سویرے کے پرکیف مناظر، ہوا کی تھپکیوں اور گرم موسم کی منظر

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 4, (Oct to Dec 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

نگاری میں کمال مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ جیٹھ مہینے کی سخت گرمی سے پیدا شدہ صورتحال کا بیان اور اُس عالم میں پریتم کی اپنے محبوب کے لیے ''کھچ'' تڑپ اور چاہت کا منظر نامہ کیونکر پیش کیا گیا ہے، درج ذیل اقتباس ملاحظہ کریں:

> ''تک تاں جیٹھ دا مہینہ! جنور کیہہ تے پنچھی کیہہ سبھ سیک دے مارے کھُڈاں وچ وڑ گئے ہن۔ پَسّو جِیبھاں کڈھی چھپڑاں ول دوڑ رہے نیں۔ مُنکھ لُو توں بچن لئی کُنڈیوں اندر چلے گئے نیں۔ باہر اگ دی ہنیری ہے۔ کِرناں چنگیاڑیاں دا ہڑ وگا رہیاں ہن... پانی دی دیگ اُبل رہی۔ ہٹھاں اگ لٹ لٹ مچ رہی ہے۔ پریمی وچ بیٹھا ہے۔ شریر اُبل رہیا ہے۔ دیہی سڑ چکی ہے پر 'اللہ دا نور' پریتم دی یاد وچ مست ہے! ایہو جیہی سڑ دی دُھپ ہیٹھاں اگ دِیاں لاٹاں لوہے دی توی نوں انگیار بنا رہیاں ہن پر پریمی پریتم دا رُوپ ہو کے چونکڑی ماری بیٹھا ہے، مست ہے۔ اُپروں سڑ دے ریت دے کڑچھے سریر نوں ساڑ رہے ہن پر ایہہ ساریاں پریتم دِیاں موجاں ہن۔ باہروں سریر سڑ چکا ہے پر اندروں شانتی دا سمندر ٹھاٹھاں مار ریہا ہے۔ دیکھن والے کرودھ وان ہندے ہن پر پریمی پریم دے پیالے نوں گٹ گٹ پی ریہا ہے اَتے مِٹھی سُر نال (تیرا کہیا میٹھا لاگے) الاپ ریہا ہے۔'' (۳)

افسانہ ''وساکھی'' میں بیساکھی تہوار اور خالصہ منانے کا ذکر کرتے ہوئے افسانہ نگار پرانی نے واضح کیا ہے کہ اس دنیا میں انسان کو خالق کی طرف سے بطور نائب بھیجا گیا ہے لیکن نائب کے منصب پر فائض انسان میں سے انسانیت کہیں کھو گئی ہے۔ کہانی میں بیساکھی کا موقع ہے۔ سب لوگ موجود ہیں۔ ہر طرف خوشیوں کا سماں ہے۔ اُس رات ہر طرف روشنی اور چہروں پر خوشی چھائی ہوئی ہوتی ہے۔ افسانہ نگار اس موقع پر مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کیا خوب ہو اگر تمام لوگ اس رات کی طرح ہمیشہ مل جل کر رہیں۔ افسانہ میں پوری انسانیت کا ذکر ہے کہ کس طرح لوگوں میں رفتہ رفتہ احساس ختم ہوتا جا رہا ہے اور بے حسی، بے یقینی اور مادہ پرستی پنجے گاڑ رہی ہے۔

شیر سنگھ گیانی کی زیر ادارت صرف دو افسانے فارسی رسم الخط میں اور باقی سارے گورمکھی میں شائع ہوئے۔ افسانوں کے نام ''سفنے وچ اج ویکھیا''، ''چاند''، ''ٹھگاں دی دھرتی''، ''پرملیا'' (دو اقساط)، ''دھوبی دی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 4, (Oct to Dec 2022)
ماخذ تحقیقی مجلہ

جُونہہ"، "فوجی"، "پریمیاں دے پیارے"، "پیار دی کُٹھی"، "عیشی پینڈو"، "واہ پیار"، "پریتم دی کھوج"، "وچھڑیاں دا میل"، "پینڈو جیون دی جھاکی" اور "اِک کنول دی فریاد" ہیں۔

کرشن سنگھ "راوی" کے دوسرے مدیر تھے جن کا زمانۂ ادارت اکتوبر ۱۹۲۷ء تا دسمبر ۱۹۲۸ء ہے۔ اُن کی زیر ادارت شائع ہوئے پنجابی حصہ میں کل ۱۱ افسانے شائع ہوئے جن کے نام "لِیلا"، "چودھری دی چودھر"، "عاشقاں دا دربار"، "رومیش" (دو اقساط)، "سچ دی یاری" (دو اقساط)، "بنسری"، "پریم پجاری تاں پر اُپکاری"، "کسے دی اُڈیک"، "بنتی"، "ہائی! اوہ کیہا چنگا ویلا سی" اور "اوہ تسی ہی ساؤ نا!" ہیں۔ ان افسانوں میں گورمکھی اور فارسی رسم الخط کا تناست برابر ہے۔ کرشن سنگھ کے دور میں لکھے افسانے فنی اور تکنیکی اعتبار سے کافی پختہ ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ وہ خود بھی اچھے افسانہ نگار تھے اور اُن سے پہلے "راوی" میں پنجابی کہانی لکھنے کی بنیاد پڑ چکی تھی۔

درج بالا افسانوں میں ہنس راج کا افسانہ "بنسری" قابل ذکر ہے جس میں بانسری کی پر کشش آواز اور پر کیف احساس بیان کیا گیا ہے۔ کہانی کا منظر نامہ سرینگر کا پہاڑی علاقہ ہے جہاں پہاڑ کی چوٹی پر ایک چرواہا بیٹھا اپنی دُھن میں مست بانسری بجا رہا ہے۔ اُس کے پاس ایک چھڑی اور اُس کا کتا بیٹھا ہے۔ بانسری کے افسردہ راگ اور دُکھی لَے سے محسوس کیا جا سکتا ہے کہ وہ کسی کا انتظار کر رہا ہے۔ افسانہ نگار اُسے بیٹھا سُن رہا ہے جسے اب یقین ہو گیا ہے کہ بانسری بجانے والا اپنی محبوبہ کا منتظر ہے جو ہر سوموار اُسے ملنے آتی تھی۔ اُس کی بے چینی کا احساس بانسری کی بدلتی دُھنوں سے ہو رہا تھا جسے سُن کر افسانہ نگار کو اپنے دُکھ یاد آ گئے جنھیں بھُلانے کی خاطر وہ کشمیر کی وادیوں میں آیا تھا۔ چرواہا انتظار کرتا اور بانسری بجاتا تھک گیا۔ مایوس ہو کے بانسری پتھر پر مار کے توڑ دی اور کہیں پہاڑ کی چوٹی کی طرف چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد لڑکی آ گئی جو لڑکے کو جاتا دیکھتی رہی اور روتی رہی۔ اُس نے بانسری کا ٹکڑا اُٹھایا اور اُس سے باتیں کرنے لگی:

> "... مینوں پتہ اے پئی تینوں اج بڑا دُکھ ہویا اے۔ کاش کہ میں تیرے قابل ہندی۔ تینوں پتہ نہیں کہ میں پاپن آں اور میں کِڈا وڈا پاپ کیتا ہویا اے۔ جدوں پتہ لگدا تینوں ہن توں وی ودھ کے دُکھ ہونا سی تے توں مینوں نفرت کرنی سی۔ مینوں تیرے نال پیار نہیں سی کرنا چاہیدا پر میں بے بس سی۔ ایہہ تیرا پیار ای مینوں تیرے نالوں وچھوڑ رہیا اے۔" (۴)

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN(O): 2709-9644
Volume 3, Issue 4, (Oct to Dec 2022)

کہانی میں کہانی کار نے خواہ اپنی اور چرواہے کی محبت کا ذکر کیا ہے لیکن محبت وہ لازوال حقیقت ہے جو قدرت نے ہر چیز میں سما دی ہے۔ بانسری سے نکلنے والا راگ اصل میں قدرت کی آواز ہے۔ یہی آواز بھنورے، پتنگے، چکور اور جوگی جگہ جگہ الاپتے پھرتے ہیں:

> ''... مینوں ایہہ معلوم ہویا پئی ساری دنیا تے اِکو ای کھیڈ اے گوان تے ڈھونڈن دی۔ اوس بنسری وچوں اِک ایسا راگ نکل رہیا سی جیہڑا سارے سنسار تے پھیلیا ہویا اے، جیہڑا بھوَرے پھُلّاں دے گرد تے پتنگے دِیوے دے سامنے گوندے نیں، جیہڑا چکور چن تے عاشق معشوق دے ویوگ وچ محسوس کردے نیں یا جیہڑا جوگی مولا دی یاد وچ بَن وچ تے مندراں وچ آلاپدے نیں۔ ایہو اِک چیز اے جیہدے نال سُکھ وچ دُکھ تے دُکھ وچ سُکھ ملدا اے۔(۵)

گیانی بلدیو سنگھ لُوتھر کی مجلس ادارت میں جنوری ۱۹۲۹ء تا جون ۱۹۲۹ء چار شماروں میں کل ۷ افسانے شائع ہوئے۔ تین افسانے ''اوہ میں ای ساں؟''، ''اج کل دے پیار'' اور ''بھلا اوہ کون اے؟'' گورمکھی میں جبکہ چار افسانے ''چرخہ کتدی اے''، ''کروشیہ کڈھدی اے''، ''ایڈیٹر صاحب لیکھ چھانٹدے نیں'' اور ''پریم پجاری'' فارسی رسم الخط میں شائع ہوئے۔

فروری ۱۹۲۹ء میں بی ایس آہلووالیہ کی تین مختصر کہانیاں تین الگ الگ موضوعات کے ساتھ شائع ہوئیں جن میں سادہ انداز سے تین الگ الگ مواقع پیش کیے گئے ہیں۔ کہانیوں میں وحدت تاثر کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک ایک پیراگراف میں نتیجہ بھی اخذ کیا گیا ہے۔ یوں ان کہانیوں کو اگر افسانچے (نکی کہانیاں) کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ پہلی کہانی ''چرخہ کتدی اے'' میں گاؤں کے نمبردار کی چھوٹی بیٹی کا ذکر ہے جو گھر کا ہر کام مثلاً ''لسّی رڑکن''، ''پاتھیاں پتھن''، ''چھاہ ویلا پکان'' اور ''بھتا لیجان'' کے علاوہ چرخہ بڑے شوق سے کاتتی ہے کیونکہ چرخے سے اُسے خاص پریت ہے۔ ''کروشیہ کڈھدی اے'' میں شہر کا منظر نامہ ہے جس میں ایک لڑکی مختلف عورتوں کے ساتھ بیٹھی ہے۔ عورتیں آپس میں باتیں کر کے قہقہے لگا رہی ہیں لیکن وہ اپنے کام میں مصروف ہے۔ وہ باتیں بھی کرتی ہے لیکن کروشیئے میں اس قدر ماہر ہے کہ ہاتھ مسلسل چل رہے ہیں۔ وہ کام کرتی تھکتی نہیں۔ صبح اٹھتی ہے۔ سکول جاتی ہے۔ گھر آکر پڑھتی ہے اور دوپہر کے بعد کروشیہ کرتی ہے۔ افسانے

کی خوبی، مقصد اور پیغام یہ ہے کہ کوئی بھی کام جو جنون ہو اُسے انجام دیتا انسان کبھی نہیں تھکتا۔ ''ایڈیٹر صاحب لیکھ چانٹدے نیں'' میں ایڈیٹر کے آس پاس کی لوکیشن بیان کرنے کے بعد اُس کے چہرے کے اُبھرتے ہوئے تاثرات سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ یہ کہ ایڈیٹر کو غیر جانبدار ہونا چاہیے:

> ''...ایڈیٹر صاحب سوچدے ہن کہ کیہڑا لیکھ دَیئے تاں کیہڑا نہ دَیئے۔ اِک نوں چُکدے نیں دُوجے نوں رکھدے نیں۔ بڑی سوچ وچ پئے ہوئے ہن۔ اِک دو لیکھ اوہناں دے دوستاں دے ہن۔ ایہہ دل وچ کہندے نیں کہ اوہناں دے لیکھ اساں چھاپ وی نہیں سکدے، اسیں چھڈ وی نہیں سکدے کیونکہ دوست بڑے پرانے ہن۔ بڑی کودھی وچ پھسے ہوئے ہن۔ ایرہ وغیرہ دے لیکھ تاں بڑی بے رحمی نال کڈھ رہے ہن۔ ایڈیٹر صاحب ذرا ہوش نال کم لینا۔ دوستی نوں چھڈ اچھے لیکھاں نوں بھیجنا۔'' (۶)

کپور سنگھ کی مجلس ادارت اکتوبر ۱۹۲۹ء تا اپریل ۱۹۳۰ء تھی۔ اس دوران ۷ شماروں میں ۵ افسانے گورمکھی اور ۴ فارسی رسم الخط میں شائع ہوئے۔ افسانوں کے نام ''مال روڈ''، ''انوکھی مبارک بادی''، ''آفس ہولڈرز''، ''رومانچ''، ''نِچھ''، ''اِک گل''، ''کوکن شو''، ''گراف پیپر''، اور ''اساں اِک سودا کیتا'' ہیں۔

''مال روڈ'' میں کہانی کار اور رام سرن ٹھنڈی سڑک یعنی مال روڈ لاہور پر سیر کرنے جاتے ہیں۔ رام سرن کو سوال جواب کرنے کی بہت عادت ہے۔ وہ سوال کرتا ہے ''ٹھنڈی سڑک نوں مال روڈ کیوں آکھدے نیں؟'' اور خود ہی سوال کے بعد تبصرہ کرتا ہے کہ شہروں سڑکوں اور علاقوں کے نام مہاں پُرشوں کے ناموں پر یا کسی اور نسبت سے رکھے جاتے ہیں مثلاً میکلوڈ روڈ، ایمپرس روڈ، ملتان روڈ اور گرینڈ ٹرنک روڈ وغیرہ۔ کہانی کار رام سرن کے سوال پر کچھ نہ بولا۔ اُس کے اپنے مفروضے سے اخذ کردہ نتائج کچھ یوں ہیں:

> ''...خورے ایس لئی جو اِس سڑک تے مال دِیاں گڈیاں، لاریاں، ٹانگے، گڈے ہور ناں تھاواں نالوں بوہتے چلدے ہون! جاں ایس واسطے جو ایتھے موٹر کاراں، بائی سائیکلاں اور ٹمٹماں مال گڈی دی طرح ہوئی ہوئی چلدیاں ہون! پر ایہناں وچوں تاں کوئی گل وی سچی نہیں جاپدی۔'' (۷)

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN(O): 2709-9644
Volume 3, Issue 4, (Oct to Dec 2022)
ماخذ تحقیقی مجلہ

کہانی کے آخر میں کہانی کار جو رام سرن کی باتوں سے اُکتایا ہوا تھا کہنے لگا شاید اس سڑک کو ''مال روڈ اِس واسطے کہندے نیں جو اِس سڑک تے مالداراں دِیاں کوٹھیاں بہت نیں۔'' رام سرن نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے ''تاں اِنج کیوں نہیں آکھدے جو اِس سڑک تے مال بہت زیادہ ہے۔'' اور آخر کار رام سرن کی بات سے کہانی کار نے بھی اتفاق کر لیا۔

''انوکھی مبارک بادی'' میں کالج کے دو طالب علم جن کے نئے داخلے ہوئے ہیں، نئی ٹائیاں اور سوٹ خریدنے بازار جاتے ہیں۔ ایک اور طالب علم دکان میں داخل ہوتے ہی میہرے دکاندار کو مبارکباد دیتا ہے۔ دکاندار حیران ہوتا ہے کس چیز کی مبارکباد؟ طالب علم جواب دیتا ہے کالج کھُل گئے ہیں، کیا یہ مبارکباد کی بات نہیں؟ افسانے میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح دکاندار کسی تہوار یا خاص موقعے کا فائدہ اُٹھا کر ہر چیز کا ریٹ بڑھا دیتے ہیں۔

کہانی ''آفس ہولڈر'' کالج ہاکی ٹیم کے سیکرٹری مقرر ہونے سے متعلق ہے۔ کہانی میں بتایا گیا ہے کہ بطور سیکرٹری کام کرنا کس قدر مشکل ہے۔ یعنی سیکرٹری صاحب کو چاروناچار ملازم سے لے کر پرنسپل تک کی باتیں سننے کے علاوہ اخراجات بھی جیب سے برداشت کرنا پڑتے ہیں جن کے بل کہیں بعد میں وصول ہوتے ہیں۔

کہانی ''رومانچ'' کا منظرنامہ گورنمنٹ کالج، لاہور کے نیو ہاسٹل کا سانجھا کمرہ (Comman Room) ہے۔ لڑکیاں اور لڑکے اس کمرے میں اکٹھے ہیں۔ ۱۴ جنوری ۱۹۳۰ء رات ساڑھے نو بجے کا وقت ہے۔ مِس جان گانا پیش کرنے کے لیے تیار کھڑی ہیں مگر کوئی اُنھیں سننے کو تیار نہیں۔ انچارج نے بارہا طلبہ کو بٹھانے کی کوشش کی لیکن بے سُود۔ مِس جان مسکرائیں، دائیں بائیں کاندھے اُچکائے اور دونوں ہاتھ جوڑ کر خاموشی کی درخواست کی مگر بیکار۔ انچارج صاحب نے پھر سے پوچھا ''تسی مینوں اِک واری دس دیو کہ تسی کیہہ چاہندے او، کہ مَیں گانا شروع کران والا بناں۔'' اسی دوران:

> ''... پچھلے بنچاں تے 'اِک، دو، تِن' ہویا تے بڑے زور شور نال تُونبے دا نعرہ لگا۔ خیر جی گاؤنا شروع ہویا۔ لوکی سنن لگے۔ ہر بٹّے پچھوں 'بہت اچھا! خوش کیتا ای! کمال! سوہنا! اِک واری فیر!' دِیاں واجاں آؤندیاں سن۔ کئی سروتے تے راگ دی مستی وچ ڈبے سر ہِلا رہے سن۔ جے کدی کوئی تان دِل نوں لگ گئی تاں 'ایہو جیہیاں' گلاں کہہ دینوں وی فرق نہیں کردے سن... '' (۸)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 4, (Oct to Dec 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ساڑھے گیارہ تک گانے کا سلسلہ جاری رہا۔ گانا سن سن کر اب لوگوں کا دل بھر گیا۔ سب پانچ پانچ چھ چھ کی ٹولیوں میں اپنی اپنی "سہیلی یوں" اور "سہیلے یوں" کے ساتھ گپ شپ میں مصروف ہو گئے۔ اتنے میں ایک لڑکی نسیمہ آئی تو سب اُٹھ کر اُس کے آس پاس جا بیٹھے۔ اُس کے گرد آٹھ دس لوگوں کا ہجوم ہے۔ ہیر ک رُشن جو کافی دیر سے دُور بیٹھا دیکھ رہا ہے، اُٹھ کر آتا ہے۔ وہ بازو سے پکڑ کر نسیمہ کو ٹولی سے اُٹھاتا ہے اور دونوں ایک بینچ پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اُس کی اس حرکت کو خوب سراہا گیا، تالیاں بجائی گئیں، خوب! خوب! اور "ایتھے رکھ" کے نعرے لگائے گئے۔ پھر اچانک دروازہ کھلا، گورمکھ سنگھ اندر داخل ہوا۔ نسیمہ اور اس کے ساتھی کے سامنے کھڑا ہو کر کہتا ہے: "میں ایس کالج وچ کئی گلّاں ویکھیاں نیں پر اک گل مینوں نہیں بھُلی۔ سن ۱۹۳۰ء وچ شبرات توں پہلی رات، عین ایسے تھاں تے اِک ایہو جیہے بینچ تے دو جنے ہو بہو ایسے طرح بیٹھے سن پر اینا فرق سی" اوہ ہیر ک رُشن ول مُونہہ کر کے کہن لگا، "کہ تہاڈے نال اِک بی بی بیٹھی ہے، اُس بابو نال اِک بیبا بیٹھا سی۔" افسانے کا مقصد واضح نہیں، کچھ مبہم سا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہیر ک رُشن اور لڑکی نسیمہ نے گورمکھ سنگھ کو دھوکہ دیا ہے۔

گ س کھ کی ہی کہانی "اساں اِک سودا کیتا" اپریل ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کہانی میں غریب طبقے کی غربت اور بیماری کے باعث جنم لینے والے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

کیسر سنگھ کنول کی زیر صدارت اکتوبر ۱۹۳۰ء تا نومبر ۱۹۳۱ء کل ۱۳ کہانیاں شائع ہوئیں جن میں ۶ گورمکھی اور باقی فارسی رسم الخط میں ہیں۔ کہانیوں کے نام "کشمیر دی سیر"، "ادھ منٹیاں کہانیاں" (تین افسانچے)، "عشق دی گلی"، "کھدّو کھونڈی"، "کاں ڈِگا تے کِتھے"، "پریم سندیسہ"، "گلاب دیا پھُلا جاہ"، "تصویر"، "ٹٹیہنا"، "Responsible"، "رات دا ویاہ"، "شیش محل" اور خلیفیاں دی کانفرنس" ہیں۔

"ادھ منٹیاں" تین کہانیاں اسی شمارے میں پہلی بار شائع ہوئیں جو پنجابی افسانوی ادب میں نیا تجربہ تھا اور اس سے پنجابی زبان و ادب کی وسعت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ آدھ منٹ میں پڑھی جانے والی صرف ستائیس الفاظ کی کہانی میں کہانی کی زبان، موضوع کی وسعت، الفاظ کا چناؤ اور ابلاغ ملاحظہ ہو:

"موٹر والا: (موٹر ول سینت کر کے) مائی چھیتی بیٹھ جلدی ہو۔

مائی: بلیا! ڈھگّا نہ گھوڑا، ایڈی کاہلی پائی ہوئی اُو؟ پہلاں کوئی پسو تے جوَلے۔" (۹)

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN(O): 2709-9644
Volume 3, Issue 4, (Oct to Dec 2022)

افسانہ "عشق دی گلی" میں جی ایس وہورا عشق کی مشکلات کا ذکر کرتے کہتے ہیں کہ بظاہر یہ راستہ نہایت مشکل اور کٹھن ہے مگر جب بندہ اس میں داخل ہو جائے تو نکلنا محال ہو جاتا ہے۔ وہ عشق کا ہی ہو کر رہ جاتا ہے۔ محب کی اپنے محبوب کے دیدار کی چاہت لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جاتی ہے مگر عاشق کو محبوب کا دیدار قسمت سے ہی نصیب ہوتا ہے۔ یعنی حقیقی معنوں میں اس سے مراد یہ کہ زندگیاں داؤ پر لگانے سے ہی محبوب کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

"تصویر" مختصر کہانی ہے جس میں ایک پریمی اپنی محبوبہ سے اُس کی تصویر مانگتا ہے مگر وہ انکار کر دیتی ہے۔ لڑکی کا مؤقف ہے "جے مُورتاں دا اِتنا شوق جے تاں بزاروں کیوں نہیں لَے آوندے؟ بتھیریاں وِکدیاں نیں۔" وہ محبت بھرے انداز میں کہتی ہے کہ "کیہہ تہاڈے کول میری کوئی فوٹو نہیں؟ تہاڈے دِل وچ کیہہ اے؟ کیہہ اوتھے میری کوئی تصویر نہیں؟ لڑکا اُس دن کے بعد لڑکی کی کوئی تصویر نہیں مانگتا اور کہانی کے آخر میں قارئین کے لیے سوال چھوڑ جاتا ہے "جے کدے میری تھاں تسی ہو وو تاں کیہہ کرو؟"

"خلیفیاں دی کانفرنس" کہانی نما تحریر ہے جس میں کالج کی مختلف سوسائیٹیز سے تعلق رکھنے والے طلبہ کو "خلیفے" کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ میٹنگ میں "پردھان" (صدرِ محفل) کے روبرو ہر خلیفہ اپنی اپنی گزارشات پیش کرتا ہے جن میں سے چند اہم یہ ہیں: پہلی کالج یونین کی ایگزیکٹو باڈی میں خلیفوں کے لیے مخصوص نشستیں، دوسرا نیو ہاسٹل میں خلیفوں کی رہائش کے لیے دس کمرے اور تیسرا خلیفوں کو پڑھانے کے لیے الگ پروفیسر کا تقرر۔

گوردیال سنگھ کھوسلہ جنوری ۱۹۳۲ء تا جنوری ۱۹۳۳ء پنجابی مدیر رہے۔ اُن کی زیر ادارت چھ شمارے شائع ہوئے جن میں ۶ کہانیاں شامل ہیں۔ کہانیوں کے نام "دُکھاں دا پربت"، "جاکو راکھے سائیاں"، "کون جِتیا"، "اگ لگ گئی"، "جمایکا دا جم پل" اور "وچھوڑا" ہیں۔ کہانی "وچھوڑا" گورمکھی میں اور باقی فارسی رسم الخط میں ہیں۔

"وچھوڑا" (۱۰) مشرقی پنجاب کی ایک نو بیاہتا لڑکی (جس کا خاوند لاہور پڑھتا ہے) کی کہانی ہے۔ ساری کہانی لوک گیت ماہیا کے ذریعے آگے بڑھتی ہے۔ کہانی میں کل ۲۰ ماہیے ہیں اور اُنہی پر کہانی کا پلاٹ استوار کیا گیا ہے۔ مثلاً تین ماہ کی چھٹیوں کے بعد لڑکا گھر آیا اور پلک جھپکتے میں چھٹیاں ختم ہو گئیں۔ وہ صبح سویرے چلا جائے گا۔ اُس کی بیوی اُسے مخاطب کر کے کہتی ہے:

کنگناں دی گھاسی آ

اج ٹر یا وینا ہے وت مولا کدن لیاسی آ

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 4, (Oct to Dec 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

لڑکا جواب دیتا ہے چار ماہ بعد چھٹیوں میں۔ اُس کا دل کانپ جاتا ہے۔ جذبات نگاری درج ذیل ماہیا میں ملاحظہ کریں:

کھلی آں مَیں کھوڑے نال

ماں پیو بھلا کرے، ہن ٹورے چاماہیے نال

لڑکی کا خاوند لاہور پڑھتا ہے جس کا ذکر مندرجہ ذیل ماہیے میں ملتا ہے:

باغے وچ مور گیا

اسیں پئے ہاں مردے، ماہیا پڑھن لاہور گیا

مختصر یہ کہ کہانی میں لوک گیت ماہیا کے ذریعے برہا کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔ لوک صنف ماہیا جو وچھوڑے کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے؛ نے کہانی کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ محبوب کے آنے کی خبر سن کر ریل گاڑی کو دعائیں دیتی اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کرتی ہے:

گڈی ٹیشن تے آئی ہوسی

بھج بھج پئی ویکھاں، میرا ماہی لیائی ہوسی

گیان سنگھ کی زیر ادارت فروری، مارچ ۱۹۳۳ء سے فروری ۱۹۳۴ء تک چھ شماروں میں چھ کہانیاں تین گورمکھی اور تین فارسی رسم الخط میں شائع ہوئیں۔ کہانیوں کے نام "ہائے مایوسیٔ بیار بھی کیا ہوتی ہے!"، "ساویں دا دن"، "تخیے داسائیں"، "بھنڈار دی رات"، "تاراں" اور "شرارتی دیوتا" ہیں۔

"ساویں دا دن" کہانی میں ساویں کے تہوار کا تذکرہ ہے جو ہنسی کھیل کرتے ہوئے گدھے ڈال کر منایا جاتا ہے۔ ہاڑ مہینہ ختم ہونے کے آٹھ دن بعد یعنی آٹھ ساون کو یہ تہوار منایا جاتا ہے۔ کہانی میں لڑکیاں ایک جگہ اکٹھی گدھے ڈال رہی ہیں لیکن سنتو جو سب سے زیادہ جوشیلی لڑکی تھی آج چپ چاپ ہے کیونکہ تہوار کے موقع پر وہ اکیلی ہے۔ لڑکیاں اُسے پینگھ لینے کا کہتی ہیں مگر وہ انکار کر دیتی ہے۔ اُس کے گیت آج خوشی کے موقع پر بھی دُکھ بھرے ہیں۔ "میرے درد کلیجے اُٹھی، لکھ بھیجو ماہیے نوں" اُس کا موقف ہے وہ اپنے محبوب کے بنا کیا خوشیاں منائے؟ رات سب لڑکیاں گھروں کو چلی گئیں اور سنتو بھی آ کر سو جاتی ہے۔ کہانی کا مقصد اور پیغام یہ ہے کہ خوشیاں اور چاؤ انسان کے اندر کے موسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر انسان اداس، تنہا یا کسی دُکھ تکلیف میں ہے تو اُسے کوئی بہار، کوئی تہوار اور کوئی خوشی بھلی محسوس نہیں ہوتی۔

"شرارتی دیوتا" مختصر کہانی ہے جس میں محبت کے دیوتا "کیوپڈ" کی دُنیا کے پہلے شاعر سے ملاقات کا تذکرہ بیان کیا گیا ہے۔ شاعر کیوپڈ کی اپنے بند کمرے میں اچانک موجودگی سے سہم گیا۔ کیوپڈ جو سردی سے کانپ رہا تھا مخاطب ہوا "مینوں معاف کرنا... مَیں تہانوں ایس ویلے تکلیف دِتی اے۔ سردی نال میرا انگ انگ سُن ہو گیا اے۔" یہ کہتے دیوتا کی آنکھیں بھر آئیں۔ شاعر کو ترس آگیا۔ اُس نے دیوتا کو آگ جلا کر دی جس سے اُس کے چہرے پر رونق آگئی۔ دیوتا نے اپنی بھیگی ہوئی تیر کمان خشک کی اور یہ کہتے ہوئے کہ "ایہہ بھجن نال خراب نہ ہو گئی ہووے" تیر چلا دیا جو سیدھا شاعر کے دل میں لگا۔ شاعر کو میٹھے میٹھے درد کا احساس ہوا اور نیند کا غلبہ ہو گیا ساتھ ہی اُس نے گانا شروع کر دیا۔ یہ محبت کا پہلا راگ تھا۔ شاعر نے جب آنکھیں کھولیں تو دیوتا غائب تھا۔

باوا بھوپندر سنگھ کی زیر ادارت مئی، جون ۱۹۳۴ء سے مئی ۱۹۳۵ء تک چار شماروں میں آٹھ کہانیاں شائع ہوئیں جن میں تین گورمکھی اور باقی فارسی رسم الخط میں ہیں۔ کہانیوں کے نام "اِک نوں کیہہ رونی ایں اُوت گیا ای آوا"، "اِک تجربہ"، "سائیں چھوارے شاہ"، "پچھتاوا"، "خودکشی"، "عورت دا اِک نخرہ"، "اِک جھاکی" اور "کملا دا سپنا" ہیں۔

اِندر سنگھ کی کہانی "اِک نوں کیہہ رونی ایں اُوت گیا ای آوا" سُندر کور کے گرد گھومتا ہے جو سردار مکھن سنگھ مجسٹریٹ کی بڑی بیٹی ہے۔ وہ اٹھارہ سال کی خوش شکل لڑکی ناک اور ہونٹ موٹے ہونے کے باوجود بھی رنگ گورا ہونے اور بڑی بڑی آنکھوں کی وجہ سے "سُندری" لگتی تھی۔ وہ آزاد اور ماڈرن خیال لڑکی یورپین تہذیب کی دِلدادہ ہے اور اُسے کاپی کرتی ہے۔ وہ اپنی دادی کی باتوں کا ہرگز اثر قبول نہیں کرتی۔ جبکہ دادی قدامت پرست اور روایات کی پاسداری کرنے والی خاتون ہیں۔ سُندر کور کے مشاغل میں بیٹھے بیٹھے ٹانگیں ہلاتے رہنا، من مرضی کی شادی کے خیالات، اِترا کر میموں کی طرح چلنا اور آئے دن سینما جا کر فلمیں دیکھنا شامل ہے۔ دادی سمجھاتے ہوئے تھک گئی اور سُندر کے والد یعنی اپنے بیٹے کو شکایت لگاتی کہتی ہے:

> "سردار جی: لَے بیٹا سینے دا پاس آپنی بی بی نوں وی لَے جاویں۔ چھیتی جانا ساڈے پنج وج گئے نیں۔ ہاں سچ، ماں جی کیہہ کہندے او؟ سُندر کور اُٹھ کے اندر جان لگدی ہے پر بُوہے کول ذرا کھڑی ہو کے ہولی جیہی ہَسن لگ پیندی ہے۔
>
> دادی: بس کاکا جو کہنا سی کہہ لیا اے......اِک نوں کیہہ رونی ایں، اُوت گیا ای آوا۔" (۱۱)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 4, (Oct to Dec 2022)

افسانے میں پرانی اور نئی تہذیب کا آپسی تصادم دکھایا گیا ہے جس میں باپ مکھن سنگھ کو دونوں تہذیبوں کے درمیان پُل کا کام کرنا پڑتا ہے۔ اُسے اپنی ماں اور اولاد دونوں کو خوش رکھنا ہے۔

"سائیں چھوارے شاہ" مزاحیہ کہانی ہے جس میں جعلی اور جھوٹے پیروں فقیروں اور سنتوں سادھوؤں کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ سائیں چھوارے شاہ کے تکیے پر ہر وہ قباحت موجود ہے جس سے عام شعور رکھنے والا بندہ بھاگتا ہے۔ بھانگ، چرس، افیم، گالی گلوچ، چیلوں، ڈُنبوں، لیلوں، تیتروں اور بٹیرواں کی لڑائی اور بھانگ کے دور وغیرہ جیسی فضولیات سائیں جی کے تکیے کی رونقیں ہیں لیکن پھر بھی وہاں لوگوں کا ہجوم ہے جو اپنے مسائل سائیں جی کے گوش گزار کر کے اُن کا حل کروانے کی آس لیے تکیے پر آئے ہیں۔ کہانی میں پیروں فقیروں کے استحصال کے ساتھ لوگوں کی کم فہمی، کم عقلی اور ناسمجھی پر بھی تنقید کی گئی ہے۔

"خودکشی" میں انسان کی نفسیاتی حالت اور جنون کا تذکرہ ہے کہ کیسے کوئی انسان خودکشی کے خیال کو حقیقی شکل دے لیتا ہے۔ خودکشی کرنے والا نہ صرف خود کو بلکہ پورے خاندان کی زندگی تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

باوا ہر بھجن سنگھ کی زیر ادارت جون ۱۹۳۵ء سے مئی ۱۹۳۶ء تک چھ شماروں میں نو کہانیاں شامل ہیں جن میں چار گورمکھی اور دو فارسی رسم الخط میں ہیں۔ کہانیوں کے نام "بہار"، "بُکھیا"، "اِک حالت"، "دوالی"، "اِک آواز" اور "ساڈا انعام" ہیں۔ ان افسانوں میں قابل ذکر "دوالی" ہے۔

"دوالی" افسانہ میں دو صورتحال بیان کی گئی ہیں۔ پہلی صورتحال میں دیوالی کے خوشیوں بھرے تہوار میں لوگوں کی خوشیاں، چاؤ، جلتے بُجھتے ٹمٹماتے دیے، ہنستے کھیلتے بچے، موج مستی کرتی مٹیاریں اور مٹھائیاں بانٹتے کھاتے لوگوں کے پُرکیف مناظر ہیں۔ دوسری صورتحال میں افسانہ نگار خود موجود ہے جسے روشنیاں اچھی نہیں لگتیں۔ وہ چاندنی راتوں کی نسبت اندھیری راتوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ خود کو وہ کالی اور گنہگار روح تصور کرتا ہے جسے روشنیوں میں جینے کا حق نہیں:

> "...کالی رات اِک کالی گنہگار رُوح نوں اِک پھبدا بانا ہے۔ دِل دُکھدی ہوئی نیتز نوں روشنی چندھیا دیندی ہے۔ دِل وِچ اِک دُکھ دائک جذبات دا ہلڑ مچ جاندا ہے۔ سانوں دُکھ اُس ویلے پہوندا ہے جس ویلے اسی ایہہ محسوس کر دے ہاں کہ اسی دنیا نالوں اِک علیحدہ ہی چیز ہاں۔ جس ویلے سانوں ایہہ محسوس ہوندا ہے کہ سانوں قدرت نے ہورناں نالوں اِک وکھرا اَتے

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN(O): 2709-9644
Volume 3, Issue 4, (Oct to Dec 2022)

کوڑا پیالا پین نوں دتا ہے۔ پر جے ایسی تھاں پُج جایئے جتھے قدرت ساریاں نوں اِکو لاٹھی نال ہِکدی ہووے تے خوشی پر اپت ہوندی ہے۔ ایہی حال میرا سی۔ چانن وچ ہسدے کھیڈدے اِک دُکھیار روح توں سہے نہیں جاندے۔ اوہ غم بھری کالی رات نوں ویکھ ہی خوش ہوندی ہے۔(۱۲)

گورچرن سنگھ چوپڑا کی زیر ادارت اکتوبر ۱۹۳۶ء سے فروری ۱۹۳۸ء تک نو شماروں میں کل ۲۶ کہانیاں شائع ہوئیں جن میں ۱۳ گورمکھی اور ۱۳ فارسی رسم الخط میں ہیں۔ کہانیوں کے نام "انجان موت"، "پریت کرے دُکھ ہوئے"، "یو۔ ٹی۔ سی"، "یو۔ ٹی۔ سی دا کیمپ"، "بھِکھیا"، "چین دا یودھا"، "سُچا پریم"، "موت تے جوانی"، "وڈا سیانا"، "بخشی"، "گھنڈ"، "دِیوا"، "سفید کاغذ"، "پریم ترنگ"، "اِک آواز"، "پرستان پارک دی سیر"، "دو رُٹھیاں دا ملاپ"، "دیس نکالا"، "سماج"، "جیون"، "گلاب دی لالی"، "پریتم دی یاد"، "آئی آں ماتا"، "باجو باورا"، "اوہ آون تاں اوہناں توں پُچھاں" اور "فلم ودیا پتی" ہیں۔

مذکورہ بالا افسانوں میں "چین دا یودھا" قابل ذکر ہے۔ کہانی میں چین کی آزادی کے حوالے سے ایک چینی ہیرو سنیاٹ سین کی جدوجہد بیان کی گئی ہے کہ کیسے محض ایک چینی شخص نے نہ صرف چین کو مانچو خاندان سے آزاد کروایا بلکہ پورے چینی حکومتی نظام کو بدل کر رکھ دیا۔ ہزاروں مشکلات کے باوجود وہ اپنے مؤقف پر ڈٹا رہا اور وطن کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دی۔ اُس نے اس مقصد کے حصول کے لیے بڑے دکھ اٹھائے اور در در کی ٹھوکریں کھائیں۔ آخر کار ۲۰ برس کی مسلسل جدوجہد سے ۲۹ دسمبر ۱۹۱۱ء میں مانچو خاندان کی حکومت ختم ہو گئی اور سنیاٹ سین کی زیر صدارت جمہوری راج قائم ہوا۔ یہ دن چینی تواریخ میں آج تک "ریڈ لیٹر ڈے" کے طور پر منایا جاتا ہے۔ سنیاٹ سین ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۲۵ء کو فوت ہو گیا۔ محض ۵۵ برس کی عمر میں ۲۰ سالہ جدوجہد اور ۱۵ سالہ ریاستی امور کی انجام دہی کے باعث اس دنیا سے جلد رخصت ہوا مگر چینی عوام کے دِلوں میں زندہ ہے۔

افسانہ "سچا پریم" میں افسانہ نگار محبت کی سچائی اور بے باکی کو موضوع بحث بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ سچے عاشق کو اپنے محبوب کی صرف ایک جھلک دیکھنے کی حسرت ہوتی ہے۔ وہ اُس لمحے کو، جب اُسے محبوب کا دیدار نصیب ہوتا ہے، نہایت پر کیف اور قیمتی لمحہ تصور کرتا ہے جس کی چاشنی اور لطافت کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔

پریتم سنگھ اپریل ۱۹۳۸ء تا مارچ، اپریل ۱۹۳۹ء حصہ پنجابی کے مدیر رہے۔ اُن کی زیر ادارت ۷ شمارے شائع ہوئے جن میں ۱۱ گورمکھی اور ۶ افسانے فارسی رسم الخط میں شائع ہوئے۔ افسانوں کے نام "پھر آ"، "تیری یاد"، "ہونی دا گیت"، "اِک باپ دے دو بیٹے ہمت جدا جدا ہے"، "رادھو"، "کنتی"، "ڈاکٹر جیکل تے مسٹر ہائیڈ دی انوکھی وارتا"، "جوانی"، "تسی ہی دسو"، "پریم کیہہ اے؟"، "ساڈا عشق"، "ٹاکرا"، "ڈل دِیاں شاماں"، "ہیر سیال"، "سپنے توں بعد"، "واردھا سکیم" اور "کشتی دی سیر" ہیں۔

افسانہ "ساڈا عشق" ناپختہ عاشقوں کی کہانی ہے جس میں ایک لڑکا سکول کے باہر بملا نامی لڑکی سے ملتا ہے اور اُس کے والد کو پتہ چل جاتا ہے۔ والد اُسے منع کرتا ہے تو لڑکا والد کی آنکھوں میں دُھول جھونک کر ٹکر جاتا ہے مگر بڑا بھائی اُسے بملا کے گھر کے عین سامنے پٹاخے چلاتا دیکھ کر موقع پر پکڑ لیتا ہے اور اُس کی خوب مرمت کرتا ہے۔ بملا یہ سارا منظر بالائی منزل کے کمرے کی کھڑکی سے دیکھ رہی ہوتی ہے۔ گھر پہنچنے پر والد بھی اُس کی خوب دُرگت بناتا ہے۔ وہ اس بے عزتی سے خودکشی کا ارادہ کرلیتا ہے مگر اسے زہر نہیں ملتا۔ پھر والد کے ریوالور سے خود کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر ناکام۔ آخر آدھی رات کو کمرے کے درمیان کرسی رکھتا ہے، کرسی پر سٹول رکھ کے پنکھے سے جھولنے کی ناکام کوشش کرنے لگتا ہے کہ کرسی سٹول سمیت گر جاتی ہے۔ رات کے پچھلے پہر شور سے سب اُٹھ جاتے ہیں اور وہ جمناسٹک کا بہانہ کرکے اپنی جان چھڑاتا ہے۔ افسانہ عام سی کہانی پر مبنی ہے جس میں ٹین ایجر لڑکی لڑکے کے ناپختہ جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے۔

جسبیر سنگھ باوا اور چرن جیت سنگھ گیانی صرف تین تین شماروں میں حصہ پنجابی کے مدیر رہے۔ جسبیر سنگھ کی زیر ادارت چار (تین گورمکھی اور ایک فارسی رسم الخط میں) جبکہ چرن جیت سنگھ کی زیر ادارت سات (دو گورمکھی اور پانچ فارسی رسم الخط میں) افسانے شائع ہوئے۔ بالترتیب افسانوں کے نام "بُڈھے دی جوانی"، "ندیوں پار"، "کیہدا قصور"، "موہنی"، "آئی سی ایس"، "چن دے ہنجھو"، "میری کہانی"، "ملاپ"، "سادھو کہ چور"، "حکیم صاحب" اور "شاہرگ دے نیڑے" ہیں۔ یہ تمام افسانے طالب علمانہ کوشش اور مختلف موضوعات پر قلم اُٹھانے کی اچھی مشق ہے۔ زیادہ تر افسانوں کے موضوعات کالج، ہاسٹل لائف اور عصری معاشرتی مسائل ہیں۔

ست نام سنگھ ہتکاری مئی ۱۹۴۰ء سے مارچ ۱۹۴۱ء تک سات شماروں میں پنجابی مدیر کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اُن کی زیر ادارت تین گورمکھی اور چھ فارسی رسم الخط میں کُل نو افسانے شائع ہوئے۔ افسانوں کے نام

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 4, (Oct to Dec 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

"اپریل فول"، "دو دِل"، "ساویں دا دن"، "پیار تے سُندرتا"، "اِک راہی"، "بچت"، "اِک بھید"، "پریم نگر" اور "پریت دی ریت" ہیں۔

کرتار سنگھ باوا اور گور بخش سنگھ چودھری سات شماروں میں حصہ پنجابی کے مدیر رہے۔ اُن کی زیر ادارت "راوی" میں ۱۳ افسانے شائع ہوئے جن میں ۸ گورمکھی اور صرف پانچ فارسی رسم الخط میں ہیں۔ افسانوں کے نام "کاکا"، "خوشی دا دیہاڑا"، "چاننی رات"، "سودا"، "گرگابی"، "پھُل پھُلاں نوں"، "بلا عنوان"، "پگلا"، "اِک آس"، "ساڈا پہلا عشق"، "انوکھا پنڈ"، "پُکار" اور "ساڈا دِل" ہیں۔

اوتار سنگھ اور گوربچن سنگھ انتظار کی زیر ادارت "راوی" کے پانچ شماروں میں شامل افسانوں کی تعداد ۱۳ ہے جن میں ۳ گورمکھی اور بقیہ تمام فارسی رسم الخط میں ہیں۔ افسانوں کے نام "نیناں وچ دو جھاتیاں"، "بن رہی سڑک تے"، "رُوح دی زبانی"، "منظور دھوبی"، "پیار کھیڈ"، "پریم دے بدّل"، "بھینٹ"، "کہانی"، "وِیرو تے بیلی"، "جیون ساتھی"، "جے چاہاں"، "ایہہ دنیا" اور "دھوکہ" ہیں۔

پریتم سنگھ ناگی اور نریندر سنگھ سیستانی کی زیر ادارت صرف دو شمارے شائع ہوئے جن میں شامل افسانوں کی تعداد ۱۰ ہے۔ ۵ افسانے گورمکھی اور ۵ فارسی رسم الخط میں ہیں۔ افسانوں کے نام "پھُل تے مالن"، "پردیسی"، "اُڈیک"، "پہاڑی سُندری"، "مَیں نہیں جان دا...؟"، "بنگال دی دیوالی"، "پیار"، "بے لوڑا جیون"، "پولیاں پولیاں" اور "غریب دا چولہا" ہیں۔

سدرشن سنگھ باجوہ کی زیر ادارت تین پنجابی شماروں میں صرف دو افسانے "اُڈدے پکھیرو" (گورمکھی) اور "بھکاری دی پریم بھیٹا" (فارسی رسم الخط) میں شائع ہوئے۔

گوراِندرجیت سنگھ کیتھ اپریل ۱۹۴۵ء سے مارچ، اپریل ۱۹۴۷ء تک تقریباً دو سال حصہ پنجابی کے مدیر رہے۔ اُن کی زیر ادارت ۹ شمارے شائع ہوئے جن میں کل ۱۹ افسانے شامل ہیں۔ ۱۱ افسانے گورمکھی اور باقی فارسی رسم الخط میں ہیں۔ افسانوں کے نام "وہم"، "گویّا مُنڈا"، "ہپنوٹزم"، "راموں"، "ہِک ڈرونا سفنا"، "مزدور دا دھرم"، "جیون دا اِک انوکھا سما"، "بالکل سچ"، "اِک راز"، "کہوں کیا آس نراش بھئی"، "ساڈا انعام"، "بُدھ"، "بنگال دا اِک سال"، "جھلّی"، "سڑک"، "سُپن نگری دی اِک جھاکی"، "اوہ! تُسیں"، "پریتم لے جا میری سار" اور "سکندر اعظم دی تصویر" ہیں۔

آغاز سے قیام پاکستان تک حصہ پنجابی کے ۱۹ مدیران منتخب ہوئے جنھوں نے سر توڑ کوششوں سے ''راوی'' حصہ پنجابی کو کامیاب بنایا۔ اُنھوں نے نہ صرف خود لکھا بلکہ دیگر طلبہ کو بھی لکھنے کی طرف مائل کر کے پنجابی زبان و ادب کی ترقی و ترویج کا باعث بنے۔ افسانوی ادب کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس دور میں پنجابی کہانی کاری کی مختلف شکلیں سامنے آئیں جن میں کچھ کہانیاں تو روایتی موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں جبکہ کچھ کہانیوں میں روایتی موضوعات کو بھی جدیدیت کے سانچے میں ڈھال کر جدید تکنیکوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نت نئے تجربات کیے گئے جن سے پنجابی افسانہ نگاری بنیاد فراہم ہوئی۔ علاوہ ازیں کئی شماروں میں غیر ملکی افسانوی ادب کے تراجم پیش کیے جاتے رہے تاکہ نوآموز طلبہ کو ترجمے کے ذریعے افسانہ نگاری کی جدید تکنیکوں سے شناسائی حاصل ہو سکے۔ بعض افسانے ایسے ہیں جن میں موپساں، رابندر ناتھ ٹیگور جیسے نامور افسانہ نگاروں کے افسانوں کی بنیاد پر یا اُن کے افسانوں سے Ideas لے کر بھی طبع زاد پنجابی افسانے لکھے گئے جو پنجابی افسانہ نگاری میں جدت کا باعث بنے۔ فنی اور ادبی تجربات کے علاوہ زبان کے حوالے سے بھی گورمکھی اور فارسی رسم الخط میں مختلف تجربات ہوئے جس سے نہ صرف افسانہ نگاری بلکہ پنجابی زبان کو بھی خاطر خواہ فائدہ پہنچا۔

۲۔رسالہ ''راوی'' کے پنجابی افسانے (قیام پاکستان سے تاحال):

قیام پاکستان کے بعد ''راوی'' کا گورمکھی سمیت پنجابی حصہ بند کر دیا گیا۔ دوبارہ پنجابی اشاعت کا آغاز اگرچہ مئی ۱۹۵۱ء کو صوفی غلام مصطفی تبسم کی غزل سے ہو گیا لیکن پہلی نثری تحریر جنوری ۱۹۵۵ء کو شائع ہوئی جو مس چاند خورشید کا تین صفحات کا مضمون ''ڈراکل'' تھا۔ بعد ازاں دسمبر ۱۹۵۷ء اور مئی ۱۹۶۲ء میں دو ڈرامے شائع ہوئے۔ جنوری ۱۹۶۳ء کو ''فرار'' کے عنوان سے ریاض احمد کی پہلی پنجابی کہانی شائع ہوئی جس سے قیام پاکستان کے بعد افسانہ نگاری کا باقاعدہ آغاز ہوا اور دسمبر ۱۹۷۰ء تک آٹھ کہانیاں شائع ہوئیں جن کے نام ''فرار''، ''کتھے سٹ تے کتھے پیڑ''، ''گھر کیہہ رکھیا اے؟''، ''ہرا سمندر''، ''چن ماما''، ''پنچھیاں''، ''کھڑی کھلوتی'' اور ''کہانی'' ہیں۔

کہانی ''فرار'' میں ریاض احمد کا موضوع وہ مفاد پرست اور خود غرض دوست ہیں جو دوستی کی آڑ میں دھوکا دہی سے مفادات حاصل کر کے دوستوں کو بے یار و مددگار چھوڑ جاتے ہیں۔ ایسے مطلب پرست اور خود غرض دوستوں کی دوستی صرف جان کا وبال ہوتی ہے۔ کہانی میں اکرم اور شیدا دوست ہیں۔ اکرم سیدھا سادا لڑکا ہے جبکہ شیدا مطلب پرست اور لالچی انسان ہے جو اپنے بھولے دوست کو استعمال کر رہا ہے۔ اکرم دوست کی باتوں میں آ کر

گھر سے سکول فیس کے بہانے سات روپے لیتا ہے اور شیدے کی باتوں سے بہک کر اُس کے ساتھ شہر آ جاتا ہے۔ شیدا اُسے شہر لا کر، پیسے بٹور کر اُسے سرِراہ چھوڑ کر نکل جاتا ہے۔ اب اکرم کے پاس واپسی کے لیے دھیلا نہیں۔ اُسے گھر والوں کی یاد ستاتی ہے مگر واپسی ناممکن ہے۔ پریشانی کے عالم میں ایک لوہار کے ہاں کام کرتا ہے مگر وہاں بھی روٹی مانگنے پر دُھتکارا جاتا ہے۔ کہانی سے سبق ملتا ہے کہ انسان کو انسان کی پہچان ہونا نہایت ضروری ہے۔ مطلبی اور لالچی انسان کی دوستی سے بچنا چاہیے جو معاشرے کا ناسور ہوتے ہیں۔ افسانے کا موضوع وہ ناپختہ کار لوگ ہیں جو آسانی سے لالچ میں آ کر بہک جاتے ہیں اور ساز گار حالات سے فرار حاصل کر کے ناساز حالات و واقعات کا حصہ بن جاتے ہیں۔

حسین شاہد پنجابی زبان و ادب کے معروف نقاد (بحوالہ "پورنے")، کہانی کار، ناول نگار اور شاعر ہیں۔ وہ گورنمنٹ کالج، لاہور میں ایم۔ اے انگریزی کے لیے داخل ہوئے لیکن ڈگری مکمل نہ کر سکے اور ملازمت کا آغاز کر دیا۔ بعد ازاں بیرون ملک چلے گئے۔ اُنھوں نے پردیس میں ساری زندگی پنجابی زبان و ادب سے رشتہ برقرار رکھا۔ ۱۹۶۴ء میں پنجابی لکھنی شروع کی۔ اُن کا افسانوی مجموعہ "لاپریت" کے نام سے شائع ہوا۔

مسز ستنام محمود جنوری ۱۹۶۸ء میں "راوی" کے لیے کہانی "گھر کیہہ رکھیا اے؟" لکھ کر خواتین افسانہ نگار کی صف میں شامل ہوئیں بلکہ "راوی" میں پنجابی افسانہ نگاری کی بانی بھی کہلائیں۔ کہانی میں طبقاتی نظام کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ چراغاں لوگوں کے گھروں میں کام کرتی ہے۔ اُس کی مالکن جو اچھے کھاتے پیتے لوگ ہیں مگر مسائل کا شکار ہیں۔ مالکن کا بیٹا چھ سال پہلے اپنی ماں اور دو بہنوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر بیرون ملک جا بسا اور گھر والوں کو ہمیشہ کے آنسو دے گیا۔ دوسری طرف چراغاں کے شوہر کا کردار ہے جسے وہ خود اپنے بھائی کی وفات کے بعد بھابی کے پاس بھیجتی ہے اور کچھ سامان، نقدی اور ریڈیو بھی ساتھ دے دیتی ہے کہ کچھ دن بھابی اور بچوں کو دلاسہ دے مگر وہ اُدھر کا ہی ہو کر رہ جاتا ہے اور واپس گھر آنے کا نام نہیں لیتا۔ وہ پیغام بھجواتی ہے لیکن بے سود۔ آخر خود جاتی ہے تو اُس کے خاوند کا موقف ہوتا ہے:

> "... مَیں اِک واری فیر کہیا گھر نئیوں چلنا؟ اوہ مُونہہ پرے کر کے بیٹھ گیا تے کہیا 'گھر کیہہ رکھیا اے' بس بی بی جی میرے اندر انج ہویا جیویں تانبا بولیا ہووے۔ سچی مینوں انج لگیا جیویں کوئی میرے بھرے گھر نوں اگ پیا لاوندا ہووے..." (۱۳)

خواتین کے لکھے افسانوں کی روایت آگے بڑھی اور ستمبر ۱۹۶۹ء میں دو خواتین کے پنجابی افسانے شائع ہوئے۔ پہلا سلمیٰ جبیں کا"ہرا سمندر" اور دوسرا شفقت سلطانہ ناصری کا"چن ماما" ہے۔

"ہرا سمندر"کا خلاصہ یہ کہ زندگی میں کبھی بھی کسی سے توقعات اور امیدیں وابستہ نہ کریں کیونکہ جب کوئی اُن اُمیدوں پر پانی پھیر دیتاہے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے اور چاہتے ہوئے بھی آدمی اس دکھ اور درد کی کیفیت سے باہر نہیں نکل سکتا ہے۔

"چن ماما"میں افسانہ نگار شفقت سلطانہ ناصری چاند کی خوبصورتی بیان کرتے ہوئے اُسے مخاطب کر کے کہتی ہیں کہ اے چاند تیری روشنی ایسی ہے کہ آنکھوں کو چوندھیا دے اور جو تیری روشنی کے جلوے دیکھ لے پھر زندگی بھر کسی اور چیز کے بارے میں نہیں سوچتا۔ تیری چاندنی دیکھنے کے لیے گائوں کی کنواری لڑکیاں چھتوں پر کھڑی رہتی ہیں، جھومر ڈالتی ہیں اور تیری خوبصورتی کے گیت گاتی ہیں۔ جبکہ گائوں کے جوان جن کی آواز میں دم ہے وہ اپنی توانا آواز سے عشقیہ قصے سُنا کر چاند کی خوبصورتی اور چاندنی کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ افسانے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ چاند کی چاندنی اور خوبصورتی ماند پڑتی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ پرانے دور کی طرح نہ تو لوگوں کے پاس وقت ہے اور نہ ہی جوان لڑکے اپنی توانا آواز سے چاندنی کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ اُن کا وقت اب ہوٹلوں اور کیفے ٹیریاز میں گزرتا ہے۔ جب تعریف کرنے والا کوئی نہ ہو تو خوبصورتی کا جواز بھی باقی نہیں رہتا۔

اپریل ۱۹۷۱ء میں "راوی" کا الگ پنجابی شمارہ شائع ہوا۔ مدیر مشتاق صوفی اور نواز چودھری تھے۔ اس شمارے میں دو کہانیاں بعنوان "گھگو" از اکبر لاہوری اور "چُھبدے کنڈے" نواز چودھری کی تھی۔

اپریل ۱۹۷۲ء میں دوسرا الگ پنجابی شمارہ شائع ہوا۔ مدیران مجید شیخ اور زاہد کامران تھے۔ شمارے میں تین کہانیاں "بلیک آؤٹ" از نواز چودھری، "ویری جہان" از محمد محبوب اور "اُڈیک" وحید رضا بھٹی شامل تھیں۔

مئی ۱۹۷۳ء میں تیسرا الگ شمارہ شائع ہوا جس کے مدیر عبدالمجید شیخ اور زاہد کامران تھے۔ شمارے میں چار کہانیاں "منظوری دائی"، "ڈولی"، "آزادی" اور "تین منی کہانیاں" شامل ہیں۔

مذکورہ بالا شماروں میں شائع افسانہ "گھگو" پنجابی کے معروف افسانہ نگار اکبر لاہوری کا ہے جو سینئر افسانہ نگار تھے۔ کہانی کے مطابق معاشرے میں چند ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں جو بنا مطلب لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا کسی سے تعلق قائم ہو جائے تو صرف اور صرف اُس کی خوشی کی خاطر اپنی ساری زندگی قربان کر دیتے

ہیں۔ کہانی میں ''گھگھو'' کا کردار اُن لوگوں کا نمائندہ ہے جن کو اعتماد میں لے کر پیار محبت کا ہتھیار استعمال کرتے ہوئے ہر طرح کا کام لیا جاسکتا ہے۔

نواز چودھری کے تینوں افسانے مجموعی طور پر معاشرتی مسائل کا احاطہ کرتے ہیں۔ پہلا افسانہ ''چُبھدے کنڈے''میں سلیم نامی کردار کے ذریعے منافقت اور دوغلے پن کی وضاحت کی گئی ہے جو شک تک نہیں ہونے دیتا اور غیر عورت سے تعلق استوار کر کے اپنے سگے والد کو ہی والدہ کی نظروں میں قصوروار ٹھہرا کر ہمیشہ کے لیے گرا دیتا ہے اور چھوٹے بھائی ندیم کو بھی بھنک تک نہیں پڑنے دیتا۔

''بلیک آؤٹ''میں ماضی کی شاندار روایات کا عصرِ حاضر کی نفسا نفسی سے تقابل دکھایا گیا ہے۔ افسانہ نگار کے مطابق قدیم اقدار و روایات نہایت عمدہ تھیں۔ لوگوں میں احساسِ انسانیت تھا، ایک دوسرے کا دکھ درد سمجھتے تھے اور دوسروں کی مدد کرنا اولین فرض سمجھتے تھے۔ کہانی میں چودھری ممتاز کا ہمدردانہ کردار ہے جسے سارے گاؤں والوں کا بخوبی خیال ہوتا اور اُس کی کوشش ہوتی کہ کسی کو بھی اُس کی ذات سے دکھ نہ پہنچے۔

''منظوری دائی''میں معاشرے کے اُن لوگوں کو موضوع بنایا گیا ہے جو اپنی امیری اور بڑائی کی بنا پر خود کو اعلیٰ ارفع اور دوسروں کو کمتر و حقیر سمجھتے ہیں۔ حقیقتاً وہ اس بات سے بے خبر ہوتے ہیں کہ اُن کی ظاہری عظمت و بڑائی کسی کام کی نہیں۔ افسانے میں منظوری دائی کا کردار بیوہ اور غریب خاتون کا ہے جو پیشے کے اعتبار سے دایہ ہے۔ وہ اپنے فن میں مہارت بھی رکھتی ہے مگر اس کے باوجود گاؤں کے لوگ اسے ایک بدکردار خاتون تصور کرتے ہیں اور اپنی بیویوں، بہنوں کو اس سے ملنے سے روکتے ہیں حالانکہ وقت پڑنے پر ہر کسی کے کام بھی وہی آتی ہے۔

''تین کہانیاں'' کے عنوان سے سلیم شیخ کی ترجمہ شدہ تین کہانیاں شائع ہوئیں جو مختصر ترین کہانیاں ہیں۔ تینوں کہانیوں کے عنوان بالترتیب ''ملاقات''، ''بُھکھے تے رجے ہوئے'' اور ''اِک عورت وی کِڈے فتنے پیدا کر سکدی اے'' ہیں۔ ''بُھکھے تے رجے ہوئے'' کہانی نتیجہ سمیت چالیس الفاظ کی ہے جس کا نتیجہ ہے ''بُھکھے تے رجے ہوئے اِک دُوجے نال اتفاق نہیں کر سکدے۔'' کہانی ملاحظہ کریں:

> ''اِک بُھکھے بگھیاڑ دا دل اِک چنگے رجے تے موٹے تازے خرگوش نوں کھان تے کیتا پر خرگوش نے قدرتی طور تے بگھیاڑ دی ایہہ گل منن توں انکار کر دتا۔''(۱۴)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 4, (Oct to Dec 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

مئی ۱۹۷۳ء کے بعد دسمبر ۱۹۷۶ء میں پنجابی کا الگ شمارہ ''قائداعظم نمبر'' شائع ہوا۔ اس خصوصی شمارے میں کوئی کہانی شامل نہ تھی۔ جنوری ۱۹۷۹ء میں یعنی چھ سال بعد پنجابی حصہ دوبارہ شائع ہونا شروع ہوا جو تاحال شائع ہو رہا ہے اور پنجابی کہانی بھی مسلسل شائع ہو رہی ہے۔ اس دور کے افسانے جدید افسانے کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں کیونکہ اس دوران مہمان افسانہ نگاروں کی ''راوی'' میں شمولیت کافی زیادہ رہی۔ اس کاوش سے جہاں پنجابی کہانی کو فائدہ پہنچا وہیں بلاشبہ نو آموز طلبہ کے لیے راہنمائی کا بہترین ذریعہ بھی ثابت ہوئی۔ وہ افسانہ نگار جو شہرت کی بلندیوں پر تھے اور ''راوی'' میں لکھتے رہے یا بعد میں پنجابی افسانہ نگاری میں نام پیدا کیا اُن میں سے اہم نام رفعت، انور علی، فرخندہ لودھی، منشا یاد، افضل توصیف، حسین شاد، الیاس گھمن، مسعود چودھری، پروین ملک، ملک مہر علی، رائے محمد خاں ناصر اور زبیر احمد وغیرہ۔

رفعت کا نام و مقام پنجابی افسانہ نگاری کی روایت میں نہایت اہم ہے۔ اُن کا افسانوی مجموعہ ''اِک اوپری کڑی'' کے نام سے شائع ہوا جو جدید افسانہ نگاری میں منفرد پہچان کا حامل ہے۔ وہ عام طور پر کہانیوں میں صنف نازک کے مسائل پر قلم اُٹھاتی ہیں اور یہی موضوعات ''راوی'' میں شامل افسانوں میں بھی بیان ہوئے ہیں۔ افسانہ ''والیاں دے انگ ساک'' میں رفعت نرالے انداز سے معاشرتی برائی جہیز کو بے نقاب کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ معاشرے میں جہیز کے حصول کے لیے بھی رشتے کروائے جاتے ہیں جن میں دور دور تک خلوص نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی بلکہ ایسے رشتے ناطے تو بنتے ہی ٹوٹنے کے لیے ہیں۔

رفعت کے دوسرے افسانے ''وچاری'' کا موضوع نہایت اہم معاشرتی مسئلہ چائلڈ لیبر ہے۔ افسانے میں اس گھناؤنے فعل میں شامل افراد، معاشرہ اور والدین کو قصوروار ٹھہرایا گیا ہے جو کم عمر بچوں کو کام پر لگا دیتے ہیں۔

رفعت کے تیسرے افسانے ''الحمد للہ'' میں بنی نوع انسان کی فضیلت اور مقام و مرتبہ کے تذکرے کے ساتھ انسانی بے حسی اور توہم پرستی کی بات کی گئی ہے۔ کہانی میں ایک چھوٹی بچی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے مگر لوگوں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ بچی کے ڈوبنے کو پانی کی قربانی جانتے ہوئے ''الحمد للہ'' کہتے ہیں۔

انور علی انگریزی اخبار میں کارٹونسٹ تھے لیکن بعد ازاں پنجابی افسانہ نگار اور انشائیہ نگار کے حوالے سے شہرت حاصل کی۔ اُن کا صرف ایک افسانہ ''کُلیاں دے کوڑھی'' رسالہ ''راوی'' کی زینت ہے جس میں انور علی نے ایسے افراد کا ذکر کیا ہے جن کے پاس اپنا گھر نہیں ہوتا۔ وہ اِدھر اُدھر کبھی یہاں اور کبھی وہاں کُلّی لگا کر گزارہ کرتے

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN(O): 2709-9644
Volume 3, Issue 4, (Oct to Dec 2022)
ماخذ تحقیقی مجلہ

ہیں لیکن اپنے لیے مستقل رہائش کا بندوبست نہیں کر پاتے۔ افسانے کا کردار صادق اپنے کام میں ماہر ہے۔ وہ کہیں سے کچھ بھی مانگ کر لا سکتا ہے کیونکہ اُسے دوسرے فقیروں کی نسبت مانگنے کا اچھا طریقہ اور سلیقہ ہے۔ وہ دوسروں سے زیادہ آٹا اور کھانے کی چیزیں مانگ کر لاتا ہے اور بچ جانے والی زائد اشیا فروخت کر کے دیگر ضروریات پوری کرتا ہے۔ کہانی سے معلوم ہوا کہ وہ مانگ کر اور گلّی میں رہنے کے باوجود اپنا اور اپنے خاندان کا کفیل ہے۔

فرخندہ لودھی اُردو، پنجابی فکشن رائیٹر اور کئی کتب کی مصنفہ تھیں۔ وہ لائبریرین کے طور پر لمبا عرصہ گورنمنٹ کالج، لاہور سے وابستہ رہیں۔ انتظامی معاملات کے ساتھ ساتھ ساری زندگی ادبی تخلیقات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ رسالہ ''راوی'' میں اُن کی کئی اُردو، پنجابی تحریریں شائع ہوئیں۔ پنجابی تحریروں میں ایک ڈراما، ایک نظم اور پانچ کہانیاں ''پلاکی''، ''ہر دے وچ تریڑاں''، ''کندن''، ''تلکن بازی'' اور ''ربّ دی نظر سولّی'' شامل ہیں۔

افسانہ ''پلاکی'' معاشرے میں موجود اُن افراد کی کہانی ہے جنھیں ساری زندگی سُکھ کا سانس نصیب نہیں ہوتا۔ وہ دوسروں کی خوشی کی خاطر اپنی زندگی تک قربان کر دیتے ہیں۔ کہانی میں شاہدہ نامی کردار ہے جس کی عمر تیس برس ہو چکی مگر وہ ابھی تک کنواری ہے۔ وہ لڑکوں کی طرح سارا کام کرتی ہے۔ اُس کی بود و باش اور شکل و صورت بھی ٹھیک ٹھاک ہے مگر پھر بھی رشتہ نہ ہو سکا۔ حالانکہ اُس کی ہم عمر تمام لڑکیاں بیاہی جا چکی ہیں۔ یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ کئی لڑکیاں مختلف وجوہات کی بنا پر ساری ساری زندگی والدین کی دہلیز پر ہی گزار دیتی ہیں۔

کہانی ''ہر دے وچ تریڑاں'' معاشرے میں پائی جانے والی ناکامیوں اور محرومیوں کا تذکرہ ہے۔ معاشرے میں پائے جانے والے پتھر دل اور بے حس لوگ کسی دوسرے کا درد محسوس نہیں کرتے، چاہے کوئی تکلیف سے مر ہی کیوں نہ رہا ہو۔ ہر کسی کو اپنے مفادات عزیز ہوتے ہیں۔ افسانے میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے جن کو دوسروں کے دکھ درد کا مداوا کرنا بالکل نہیں آتا۔

افسانہ ''ربّ دی نظر سولی'' میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور بادشاہت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے اور جب چاہے گدا سے شہنشاہ اور شہنشاہ سے گدا بنا دیتا ہے۔ اس لیے اُس کی ذات سے ہمیشہ بھلے کی امید رکھنی چاہیے۔

حسین شاد پنجابی افسانہ نگاری کا اہم نام ہیں۔ اُن کا افسانہ ''ازلی گیت'' رسالہ ''راوی'' کی زینت بنا جس میں حسین شاد پرانے دور اور موجودہ حالات کا تقابل پیش کیا ہے کہ پچھلے دور کے حالات آج کل کے دور سے ہزار

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 4, (Oct to Dec 2022)

درجہ بہتر تھے جب ہر ذی روح کو آزادی حاصل تھی۔ اُنھیں خوراک بھی مسکنوں کے نزدیک سے ہی میسر آ جاتی تھی۔ مگر اس کے برعکس موجودہ دور میں چرند پرند کو بھی اپنی خوراک کے لیے دور دراز سفر کرنا پڑتے ہیں۔

افضل توصیف اولڈ راوین تھیں۔ اُنھوں نے گورنمنٹ کالج سے ایم۔ اے انگریزی کیا اور کالج کے زمانہ سے ہی لکھنے کا آغاز کیا۔ وہ اُستاد، محقق اور مترجم بھی تھیں مگر افسانہ نگاری اُن کا خاص میدان تھا۔ اُنھوں نے ساری زندگی پنجابی زبان کے لیے خدمات انجام دیں۔ اُن کی کہانیوں اور مضامین کے آٹھ مجموعے شائع ہوئے اور "راوی" میں بھی چار کہانیاں "لاوارث"، "ہوم لس"، "جی سی! ہو جی سی!!" اور "کہانی جو ماسکو جا گواچی" شائع ہوئیں۔

"راوی" میں شامل پہلی کہانی "لاوارث" (۱۵) اُن لوگوں کی داستان ہے جو اپنے گھر میں ہی مہمانوں کی طرح رہتے ہیں۔ اصل میں اُن کی زندگی بے کار اور فضول گزر رہی ہوتی ہے۔ وہ کوئی بھی کام ڈھنگ سے انجام نہیں دیتے۔ افسانے میں ایسے ہی باپ بیٹے کی کہانی ہے جو اپنے گھر میں مہمان بنے ہوئے ہیں۔

افسانہ "جی سی! ہو جی سی!!" (۱۶) میں افضل توصیف بطور راوین اور اولڈ راوین گورنمنٹ کالج، لاہور سے اپنی محبت کا اظہار کرتی کہتی ہیں کہ یہ ایسا منفرد اور لاجواب ادارہ ہے کہ کوئی دوسرا ادارہ اس کے نزدیک نہیں پہنچ سکتا۔ افسانہ نگار کے مطابق گورنمنٹ کالج، لاہور ایک ادارہ ہی نہیں بلکہ اُس احساس کا نام ہے جو لوگوں کے دِلوں میں نسل در نسل پنپتا رہتا ہے۔ یہی احساس اور جذبہ "راوینز" کو آپس میں جوڑ کر رکھتا ہے۔

الیاس گھمّن پنجابی زبان و ادب کے جانے مانے کہانی کار ہیں۔ وہ اولڈ راوین ہیں۔ اُنھوں نے ۱۹۸۱ء میں بی۔ ایس۔ سی (ریاضی) کا امتحان گورنمنٹ کالج، لاہور سے پاس کیا تھا۔ "راوی" میں اُن کی کہانی "ادھے پیر دی شرینی" شائع ہوئی۔ اب تک ۲۷ کتب شائع ہو چکی ہیں۔ افسانہ "ادھے پیر دی شرینی" میں اُن والدین کی کہانی ہے جو اپنی اولاد سے حد سے زیادہ پیار کرتے ہیں اور ایک لمحہ بھی اولاد کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے۔ کہانی میں ایک ماں اپنے بیٹے کو تعلیم کی خاطر لاہور بھیجنے پر راضی نہ تھی مگر والد اور بیٹے کی ضد کے آگے گھٹنے ٹیک دیتی ہے۔ وہ بیٹے کے بہتر مستقبل کی خاطر اپنی محبت کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔

محترمہ پروین ملک پنجابی سیوک، کہانی کار اور پاکستان پنجابی ادبی بورڈ کی سیکرٹری ہیں۔ اُن کی دو کہانیاں "کالیاں بھور اکھیاں" اور "نیلا خط" رسالہ "راوی" کی زینت ہیں۔ پہلی کہانی "کالیاں بھور اکھیاں" انسانی نفسیات سے متعلق ہے۔ جب انسان اندر سے دکھی ہوتا ہے تو اُسے ظاہراً کچھ بھی بھلا معلوم نہیں ہوتا۔

کہانی ''نیلا خط'' معاشرے کے اُن افراد کا تذکرہ ہے جو بلا وجہ دوسروں کے کام میں ٹانگ اڑاتے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایسے افراد کو بھلا اس قسم کی حرکات سے کیا حاصل ہوتا ہے۔ کہانی میں ایسا ہی ایک کردار مقصود ہے جو لڑکی کے خط کو اُس کے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہے، مگر کر نہیں پاتا۔

ابرار حسین نیکوکارا نے گورنمنٹ کالج، لاہور سے ڈگری مکمل کرنے کے بعد مقابلے کا امتحان پاس کیا اور مختلف عہدوں پر ذمہ داریاں انجام دیں۔ وہ سی ٹی او اور ڈی پی او کے عہدوں پر فائز رہے۔ انتظامی امور کی انجام دہی کے ساتھ اُنھیں لکھنے میں بھی کافی دلچسپی تھی۔ حال ہی میں اُن کا تبادلہ راولپنڈی پولیس ٹریننگ کالج میں بطور پرنسپل ہوا مگر نہ جانے کیا افتاد آن پڑی کہ سخت اعصاب کے مالک باہمت شخص ابرار حسین نے دوران ڈیوٹی اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے اپنے ہی پستول سے خود کو گولی مار کر خودکشی کر لی۔ ''راوی'' میں اُن کے دو افسانے ''روگی'' اور ''اللہ مالک اے'' شائع ہوئے۔

افسانہ ''روگی'' میں ابرار حسین نے نہایت عمیق مشاہدے کی بنا پر انسان کے اندر پل رہے روگ کو موضوع بنایا ہے۔ افسانہ نگار کے مطابق روگ یا بیماری انسان کو اندر ہی اندر سے بالکل کھوکھلا کر دیتی ہے اور بظاہر جو انسان ٹھیک ٹھاک دکھائی دے رہا ہوتا ہے، اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر کھوکھلا ہو چکا ہوتا ہے۔

افسانہ ''اللہ مالک اے'' کا موضوع غربت ہے کہ غربت انسان کو کچھ بھی کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ کہانی ایک ایسے لڑکے کی ہے جو بھوکا ہے اور بھوک مٹانے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہے۔ کہانی کار لڑکے کو سگنل پر کھڑے ہو کر پھولوں کے گجرے بیچتے دیکھتا ہے تو اُس کا دل پسیج جاتا ہے۔ کہانی کار نے ان حالات کا قصوروار معاشرے اور معاشرے کے کرتا دھرتا افراد کو ٹھہرایا ہے۔

حاصل بحث یہ کہ رسالہ ''راوی'' میں دیگر اصناف کی طرح افسانہ بھی کثیر تعداد میں تواتر کے ساتھ شائع ہوتا رہا ہے۔ افسانے میں پیش کیے گئے موضوعات حالات حاضرہ اور معاشرے کے مختلف مسائل کا احاطہ کرتے ہیں۔ "راوی" کی افسانہ نگاری میں راوین، اولڈ راوین اور مہمان قلمکاروں نے بطور خاص اپنا اپنا کردار ادا کیا ہے۔ وہ افسانہ نگار جو زمانۂ طالب علمی میں ''راوی'' کے لیے لکھتے رہے یا بعد میں گاہے بگاہے اُن کے افسانے شائع ہوتے رہے اور مندرجہ بالا سطور میں زیر بحث نہ آ سکے اُن میں سے اہم نام ریاض احمد، وحید رضا بھٹی، ولی محمد، غلام عباس، جاوید اقبال اعوان، خالد منظور بسرا، غضنفر شیخ، محمد مالک بھلہ، علاؤالدین صابر، ظفر اللہ خان، عطاء اللہ عطاء،

محمد ارشد افضل، وجاہت مسعود، نزہت زہرا گردیزی، محمد رفیق، محمد جواد، حامد میر (معروف صحافی)، آغا علی مزمل، محمد اسلم خاں وقار، راشد محمود لنگڑیال، عبدالحمید بھٹہ، جعفر علی ملک، محمد اختر، یسین یونس، ذوالقرنین سعدی، یوسف جمال بدر، فرخ احمد اعوان، ندیم احسن، رانا غلام شبیر، امجد فاروق بھٹی، نذر محمد رانجھا، صائمہ باقر نقوی، غلام دستگیر ربانی، ریاض حسین، فیصل مالک بٹر، محمد ولی اسلم، ابرار حسین نیکوکارا، صاحبزادہ محمد احمد، کاوش دیوان بھٹہ، فوزیہ نورین سعدی، عبدالاعجاز، پرویز پارہ، عمیر علی واصف اور حافظ الطاف علی طالب کے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ اختر جعفری، سیّد، ڈاکٹر، پنجابی ادبی صنفاں، لاہور: پبلشرز ایمپوریم، ۲۰۰۳ء، ص: ۳۶۰۔

۲۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، پنجابی ادب دا اِرتقاء، لاہور: عزیز بک ڈپو، ۲۰۰۴ء، ص: ۱۳۴۔

۳۔ شیر سنگھ گیانی، "کُجھ" (گورمکھی کہانی)، مشمولہ: رسالہ "راوی" لاہور: جلد: ۲۰، شمارہ: ۷، اپریل ۱۹۲۶، ص: ۳۔

۴۔ ہنس راج، "بنسری" (کہانی)، مشمولہ: رسالہ "راوی" لاہور: جلد: ۲۳، شمارہ: ۶، مئی ۱۹۲۸، ص: ۴۔

۵۔ ہنس راج، "بنسری" (کہانی)، ص: ۳۔

۶۔ بی ایس آہلووالیہ، "ایڈیٹر صاحب لیکھ چھاٹدے نیں" (کہانی)، مشمولہ: رسالہ "راوی" لاہور: جلد: ۲۳، شمارہ: ۱۱، فروری ۱۹۲۹، ص: ۳۔

۷۔ ہر کِشن سنگھ، "مال روڈ" (گورمکھی کہانی)، مشمولہ: رسالہ "راوی" لاہور: جلد: ۲۴، شمارہ: ۱، اکتوبر ۱۹۲۹، ص: ۲۔

۸۔ گ س کھ، "رومانچ" (گورمکھی کہانی)، مشمولہ: رسالہ "راوی" لاہور: جلد: ۲۴، شمارہ: ۴، جنوری ۱۹۳۰، ص: ۶۔

۹۔ ٹی ایس رنگڑ، "ادھ منٹیاں کہانیاں" (گورمکھی)، مشمولہ: رسالہ "راوی" لاہور: جلد: ۲۵، شمارہ: ۱، اکتوبر ۱۹۳۰ء، ص: ۴۔

۱۰۔ گیان سنگھ چاولہ، "وچھوڑا" (گورمکھی کہانی)، مشمولہ: رسالہ "راوی" لاہور: جلد: ۲۷، شمارہ: ۳، جنوری ۱۹۳۳ء، ص: ۱تا۴۔

۱۱۔ اِندر سنگھ، ''اِک نوں کیہہ رونی ایں اُوت گیا ای آوا'' (گور مکھی کہانی)، مشمولہ: رسالہ ''راوی'' لاہور: جلد:۲۸، شمارہ:۶،۵، مئی، جون ۱۹۳۴ء، ص:۴۔

۱۲۔ کرم سنگھ، ''دوالی'' (کہانی)، مشمولہ: رسالہ ''راوی'' لاہور: جلد: ۳۰، شمارہ: ا، مئی، نومبر ۱۹۳۵ء، ص: ۷۔

۱۳۔ ستنام محمود، مسز، ''گھر کیہہ رکھیا اے'' (کہانی)، مشمولہ: رسالہ ''راوی'' لاہور: جلد: ۶۱، شمارہ: ا، جنوری ۱۹۶۸ء، ص:۱۵۸۔

۱۴۔ سلیم شیخ (مترجم)، ''بُھکھے تے رجے ہوئے'' (کہانی)، مشمولہ: رسالہ ''راوی'' لاہور: جلد:۶۴، شمارہ: ا، مئی ۱۹۷۳ء، ص:۳۸۔

۱۵۔ افضل توصیف، ''لاوارث'' (کہانی)، مشمولہ: رسالہ ''راوی'' لاہور: جلد:۸۹، واحد شمارہ، ستمبر ۲۰۰۲ء، ص:۱۷۱تا۱۷۴۔

۱۶۔ افضل توصیف، ''جی سی! ہو جی سی!!'' (کہانی)، مشمولہ: رسالہ ''راوی'' لاہور: جلد: ۹۱، واحد شمارہ، ۲۰۰۴